پاکستانی اردو ناول میں ہجرت اور فسادات کا بیان

Narration of Migration and Riots in Pakistani Urdu Novel

ڈاکٹر محمد خرم۔ اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ بوائز کالج بھاگٹانوالہ، سرگودھا

ملخص

تقسیم ہند کا واقعہ بیسویں صدی کے اہم سیاسی واقعات میں سے ایک ہے۔ جس کے نتیجے میں قبل از تقسیم اور بعد از تقسیم زبردست فسادات، ظہور پذیر ہوئے۔ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ہندوستان سے پاکستان ہجرت کا عمل شروع ہو گیا۔ اس ہجرت کے دوران قافلوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ جو ظلم و ستم وہم و گمان میں آ سکتے تھے، سب ڈھائے گئے۔ اس موضوع پر اس دور کے تناظر میں لکھے جانے والے قریباً سبھی ناول نگاروں نے قلم اُٹھایا ہے۔ چنانچہ "آنگن"، "اُداس نسلیں"، "خاک اور خون"، "راکھ"، "چاند گہن" اور "تلاشِ بہاراں" جیسے ناول فسادات، ہجرت، قافلوں کے لٹنے اور گھروں اور شہروں کے جلنے کی داستان سناتے ہیں۔ لیکن ان ناولوں میں محض تصویر کا ایک رُخ ہی پیش نہیں کیا گیا بلکہ فسادات کے اُن تلخ حقائق کو بھی پیش کیا ہے، جو مسلمان اکثریت حصوں سے متعلق تھے۔ مشرقی پنجاب میں ہونے والے ہندوؤں کے مظالم کے نتیجے میں ادھر مسلمان اکثریتی علاقوں بالخصوص مغربی پنجاب میں رد عمل کے طور پر ہندوؤں اور سکھوں کو بھی انتقام کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ پاکستانی اردو ناول نگاروں نے غیر جانبدرانہ انداز میں ہجرت اور فسادات کے حقائق کو پیش کر کے ان ناولوں کو تاریخی حیثیت عطا کی ہے۔

کلیدی الفاظ: تقسیم ہند۔ فسادات۔ ہجرت۔ آنگن۔ اُداس نسلیں۔ خاک اور خون۔ راکھ۔ چاند گہن۔ تلاشِ بہاراں۔ انتقام۔ پاکستانی اردو ناول۔ غیر جانبدرانہ انداز۔ تاریخی حیثیت۔

Abstract:

The partition of the Indian sub-continent is one of the major political events of the 20th century. This division led to chaos and unrest in the region, both pre and post- partition era. Indian Muslims started to migrate to Pakistan soon after the declaration of the establishment of Pakistan. These migrating caravans had to face all kind of cruelty and barbarism; they faced every kind of inhumane acts; anyone can think of. Almost every novelist of that time has put these events in writing. Many novels like “Aangan”, Udas Nasleen”, “Khaq aur khoon”, “Rakh”,

"Chand Gehan", and "Talash-e-Baharan" narrate the mayhem, looting of caravan, and burning down of cities in the perspective of the partition. These novels do not only paint one side of the picture but also describe the bitter truth of all the viciousness in Muslim majority areas. Hindu brutality in eastern Punjab resulted in an increased injustice against Hindu and Sikh in Muslim majority regions, especially in west Punjab. Pakistani novelists, by narrating the truth behind the events of migration and chaos without any bias have truly given these novels a historical status.

Key Words: Partition. Chaos. Unrest. Migrate. Cruelty and barbarism. Many novels. Aangan. Udas Nasleen. Khaq aur khoon. Rakh. Chand Gehan. Talash-e-Baharan. Mayhem. Pakistani novelists. Historical status.

۱۹۴۷ء میں ہونے والی ہندوستان کی تقسیم کو بیسویں صدی کا اہم ترین سیاسی واقعہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس تقسیم نے بر صغیر کی ایک کثیر آبادی کو تہذیبی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی طور پر بُری طرح متاثر کیا۔ اس سیاسی بٹواڑے نے انسانیت کو وسیع پیمانے پر ہجرت اور فسادات کے کرب سے آشنا کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ ادیبوں نے اس کربناکی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے مختلف اصناف میں تقسیم کی متنوع جہات کو موضوع بنایا ہے۔ بطور خاص اردو کے اہم ناول نگاروں نے اس موضوع پر اپنے ناول تخلیق کر کے اس کی اہم جزئیات کو سمیٹ لیا ہے۔

آزادی کے بعد لکھے جانے والے پاکستانی اُردو ناولوں میں، ہجرت اور فسادات کے پہلو کو نمایاں موضوع کے طور پیش کیا گیا ہے۔ فسادات اور ہجرت، تقسیم ہندوستان کی کوکھ سے ہی جنم پاتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھرپور سیاسی تناظر میں لکھے جانے والے ناول "آنگن" میں ہجرت اور فسادات کے کرب کو نسبتاً دھیمے انداز میں بیان کیا ہے۔ خدیجہ مستور نے اس ناول میں تقسیم کے اثرات اور بعد کی زندگی کی بجائے تقسیم سے قبل کے سیاسی منظر نامے کو فوقیت دی ہے۔ نیز "آنگن" میں سیاست کے معاشرت پر اثر انداز ہونے کی صداقت بیان کی گئی ہے۔ ایسے میں سیاست محرک کے طور پر کارفرما نظر آتی ہے۔ اسی لیے ہجرت اور فسادات کے واقعات نسبتاً اشاراتی حیثیت سے بیان ہوئے ہیں۔ ہندو مسلم فسادات کی فضا قیام پاکستان سے قبل اُس وقت ہی بننا شروع ہو گئی تھی جب پاکستان کے قیام کی راہ ہموار ہوتی محسوس ہونے لگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ گائے کے نام لینے پر ہی کریمن بوا کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ :

"کریمن بوا یہ گائے ماتا کی بات نہ کیا کرو، کسی ہندو نے سُن لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، اب وہ بھائی چارہ نہیں رہا، جسے دیکھو پاکستان کے خلاف ہے، عورتیں تک کہنے سنے سے نہیں چوکتیں۔ ہم تو چپکے سے کپڑوں کا گٹھا اٹھا کر چلے آتے ہیں۔ اللہ بچائے اس قوم سے، کانپور میں کیسے کیسے فساد نہیں ہوتے رہتے۔"[۱]

پاکستان کے نام سے ہندوؤں کی نفرت کا یہ جذبہ تقسیم کے وقت بڑا کھل کر سامنے آیا۔ صدیوں سے بھائی چارے کی فضا میں مل کر رہنے والے مسلمان اور ہندو ایک دوسرے کے بدترین دشمن بن چکے تھے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ اِس پر خدیجہ مستور نے "آنگن" میں مختصر طور پر اظہار خیال کیا ہے مگر اس مختصر اظہار میں بھی کرب کی شدید لہر رواں ہے۔ ناول نگاروں نے انسانی قتل و غارت کے وحشت ناک مناظر پیش کیے ہیں مگر جو درد فسادات کے آغاز پر بڑے چچا کے اِن جملوں سے خدیجہ مستور نے پیدا کیا ہے ان کی تلخی اور کرب محسوس کرنے کے قابل ہے۔

"پاکستان بن گیا۔ لیگی راہ نما کراچی دارالحکومت جا چکے تھے۔ پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ بڑے چچا اس صدمے سے جیسے نڈھال ہو گئے تھے۔ بیٹھک میں بیماروں کی طرح وہ ہر ایک سے پوچھتے رہتے: "یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو گیا؟ یہ ہندو مسلمان ایک دم ایک دوسرے کے ایسے جانی دشمن کیسے ہو گئے؟ یہ انھیں کس نے سکھایا ہے؟ ان کے دل سے کس نے محبت چھین لی؟"[۲]

"آنگن" میں مجموعی سیاسی صورتِ حال ایک اشارتی نظام کے تحت چلتی نظر آتی ہے۔ کہیں یہ اشارے واضح ہیں اور کہیں مبہم۔ خارجی کرب بھی کرداروں کے داخلی ہیجان کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ فسادات پر بڑے چچا کی پریشانی خارجی انتشار کا ہی ایک مظہر ہے۔ مگر اس کے برعکس اُس دور کے ایک اور بڑے ناول "اُداس نسلیں" میں ہجرت اور فسادات کا بیان خارج سے جنم لے کر خارجی انداز میں ہی اظہار کی راہ پاتا ہے۔ عبداللہ حسین نے اس ناول میں دیگر سیاسی واقعات کی طرح ہجرت اور فسادات کے باب میں بھی تلخی اور کربناکی کا اظہار نسبتاً کھل کر کیا ہے۔ ہجرت سے قبل پاکستان کے قیام سے متعلق بننے والی فضا کے ذکر سے ہجرت کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر ہجرت کی تیاری، فسادات کی خبریں، ہجرت کا آغاز اور پھر کئی دنوں کی سفری تفصیلات، یہ سب ایک تاریخی دستاویز معلوم ہوتے ہیں، جس کو ناول نگار نے نہایت سلیقے سے ترتیب دیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے آثار ظاہر ہوتے ہی قبل از تقسیم ہی ہجرت کی تیاریاں اور منصوبہ بندی شروع ہو گئی تھی۔ یہ ہجرت دو طرفہ تھی۔ مسلم اکثریت علاقوں سے ہندو سامان باندھ رہے تھے اور ہندو اکثریتی علاقوں سے مسلمان کوچ کا سوچ رہے تھے۔ اِسی سوچ و بچار میں فسادات کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔ اِس تاریخی حقیقت کو سیاسی تناظر میں "اُداس نسلیں" میں یوں بیان کیا گیا ہے:

" چند روز کے بعد فسادات زور پکڑ گئے اور لوگ شہر چھوڑنے لگے۔ ریل گاڑیاں کم پڑ گئیں تو جان بچا کر بھاگنے والوں کے قافلوں کے قافلے پیدل چل پڑے۔ ملک کے تمام حصوں سے فسادات اور لوگوں کے بھاگنے کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ گو ابھی تک سیاسی گفت و شنید کا کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا تھا لیکن ملک کے بٹوارے کے متعلق ایک عام یقین پھیل رہا تھا۔"[۳]

بٹوارے کی خبر سے عدم تحفظ کے احساس نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔ لوگ تقسیم سے پہلے تقسیم ہونا چاہ رہے تھے۔ ہر کوئی نئی تقسیم سے پہلے خود کو محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے قیدِ مکاں کو ترک کر کے ہجرت اختیار کرنا لازم تھا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بلوائیوں کی اندھا دھند اور سفاکانہ کاروائیوں کا عبرت ناک نشان بننا لازم تھا۔ اِسی خدشے کے پیش نظر آخر تک رُکے ہوئے روشن آغا کو بھی اپنے وفادار ملازم حسین کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی روشن محل سے چھپ چھپا کر اور جان بچا کر نکلنا پڑا۔[۴]

روشن محل کے باقی افراد پہلے ہی عازمِ سفر ہو چکے تھے۔ نعیم نے بھی دلی سے ایک قافلے کے ساتھ ہجرت شروع کی۔ اس موقع پر عبداللہ حسین نے دوسری جنگ عظیم کے واقعات کی طرح ہجرت اور فسادات کے مناظر کی بھرپور تفصیل بیان کی ہے۔ دونوں واقعات کی تفصیلات مرکزی کردار نعیم کے ذریعے پیش کی گئی ہیں۔ نعیم کے سفر کا آغاز چند افراد کے گروہ سے ہوتا ہے، مگر یہ گروہ آہستہ آہستہ ہجوم کی شکل اختیار کرتا چلا جاتا ہے:

"جب وہ دلی سے چلے تو پچاس مردوں اور عورتوں، بچوں اور چند بیل گاڑیوں کا مختصر سا صاف ستھرا قافلہ تھا۔ تین روز کی مسافت کے بعد وہ قافلہ ڈیڑھ ہزار انسانوں اور اتنے ہی جانوروں کے ایک لمبے چوڑے جلوس کی شکل اختیار کر چکا تھا اور ابھی وہ انبالے سے دس میل دور تھے۔"[۵]

انبالے تک پہنچتے پہنچتے قافلے میں بہت سی افواہیں اور وبائیں پھیلیں۔ کئی نشیب و فراز آئے، مشکلات بڑھنے لگیں۔ تشویش نے سر اُٹھایا اور پھر اُٹھائے ہی رکھا۔ یہ سب اُس قافلے کی داخلی کیفیت ہے جس میں نعیم شامل تھا۔ تاریخ کے اوراق پر یہ منظر مقام یا

کرداروں کی معمولی تبدیلی سے ہر اُس قافلے میں دیکھا گیا جو ۱۹۴۷ء کی ہجرت میں محوِ سفر تھا۔ اس قافلے نے بھی آگے چل کر آگ اور خون کے دریا سے اُسی طرح ڈوب کے گزرنا تھا جیسا کہ تاریخ کے کئی قافلوں کو گزرنا پڑا۔ ہجرت کرتے ان قافلوں نے فسادات کا ظلم تو سہنا ہی تھا، مگر اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کڑے مراحل درپیش تھے۔ ان کڑے مراحل میں ایک ظالم ہتھیارے کے روپ میں موت بھی شامل تھی۔ جو بلوائیوں کی مدد کے بغیر بھی مصروفِ عمل تھی۔ اس اٹل حقیقت کو عبداللہ حسین کچھ یوں بیان کرتے ہیں :

"اس رات قافلے میں پہلی موت واقع ہوئی۔ وہ ایک کمزور سا نوجوان تھا جو نمونیے سے مرا تھا۔ اس کی بیماری کا کسی کو پتا نہ چلا کیونکہ وہ اکیلا سفر کر رہا تھا۔ صبح سویرے گاڑی کا سہارا لے کر چلنے والوں نے اسے گاڑی میں مرا ہوا پایا۔"[۶]

مجمع نے اس کا عظیم الشان جنازہ پڑھا اور تمکنت سے دفنایا۔ اس عمل سے قافلے والوں پر آج پہلی بار موت کی عالم گیر حیثیت کا انکشاف ہوا تھا۔ یہ موت بارش کے اس پہلے قطرے کی مانند ثابت ہوئی جو موسلا دھار بارش کا اعلان کرتا ہے۔ قافلے والے موت کے کرب سے آشنا ہو چکے تھے۔ اب مستقبل کے خطرات سر پر منڈلانا شروع ہو گئے تھے۔ ہجرت اور تقسیم نے اپنا خراج وصول کرنے کی ٹھان لی تھی۔ چنانچہ:

"اسی روز قافلے پر پہلی بار حملہ ہوا۔ حملہ آور ہندو اور سکھ تھے۔ جو کلہاڑیوں، بلموں، تلواروں اور رائفلوں سے مسلح تھے۔ قافلے والے بہت سے مردہ اور زخمی چھوڑ کر آندھی کی طرح بھاگے۔ اب وہ موت سے واقف ہو چکے تھے۔"[۷]

عبداللہ حسین نے بٹوارے کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت اور فسادات کو ایک تاریخی حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس کی بنا پر ناول کی سیاسی اور تاریخی اہمیت قائم ہوتی ہے۔ ہجرت اور فسادات کا حصہ ناول کا اختتامیہ ہے۔ یہاں پر ابتدائی سیاسی واقعات مثلاً جنگِ عظیم اوّل کی طرح کی بے شمار صفحات پر پھیلی تفصیل تو نہیں تاہم ہندوستان کی تاریخ کے اہم مرحلے کو سمجھنے کے لیے ایک معاون کے طور پر اہمیت کی حامل ضرور ہے۔ عبداللہ حسین نے پچاس افراد سے آغاز کرنے والے قافلے کے ذریعے ہندوستان سے پاکستان تک کا طویل سفر نسبتاً مختصر طور پر پیش کیا ہے۔ مگر اس اختصار میں کوئی اہم بات چھوٹنے نہیں پائی۔ قافلے کا حجم گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور قافلے کی کہانی بھی اُتار چڑھاؤ کا شکار ہوتی رہتی ہے۔ اس تنوع سے تاریخ اور اتنے بڑے سیاسی عمل کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فسادات کا گڑھ پنجاب کا علاقہ رہا۔ عبداللہ حسین بھی اس حقیقت کا اعتراف کر کے ناول کی تاریخی اور سیاسی حیثیت کو استحکام بخشتے ہیں:

" انھیں چلتے ہوئے نو روز ہو چکے تھے۔اب وہ جالندھر کے قریب پہنچ رہے تھے اور حالانکہ آدھے سے زیادہ نئے لوگ اس میں شامل ہو چکے تھے لیکن قافلے کا حجم حیرت انگیز طور پر گھٹتا جا رہا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ جوں جوں وہ پنجاب میں اندر آتے گئے حملوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ پچھلے پانچ روز سے دن میں کئی کئی بار حملے ہو رہے تھے اور وہ ایک پل کے لیے بھی بے خبر ہو کر نہ چل سکتے تھے۔"۸

اِس طرح آگ اور خون کے دریا کو جیسے تیسے پار کر کے وطنِ عزیز پہنچنے والے قافلے بے بسی اور ترحم کی تصویر محسوس ہوتے۔اس تصویر کو فنکارانہ انداز میں پیش کرنے میں مستنصر حسین تارڑ کا نام لیا جا سکتا ہے۔اپنے ناول "راکھ" میں بعض مقامات پر تارڑ صاحب نے ہجرت کے کرب اور تقسیم کے دنوں کی کیفیت کو غیر جانبدارانہ انداز میں بیان کیا ہے۔لٹے قافلوں کی داستان سناتے ہوئے اُن کا قلم یوں منظر کشی کرتا ہے :

"اُن پناہ گیروں کی شکلیں ایسی تھیں کہ کوئی بڑے سے بڑا اداکار اُن جیسی شکل بنانے پر قادر نہیں تھا....ہزاروں برسوں سے کسی گھر میں رہنا....آس پاس کے ویرانوں کو قبروں سے آباد کرنا....پھر اُن گھروں کو ایک تنکا اُٹھائے بغیر چھوڑنا....پھر بھوک دکھ اور بیماری اُٹھا کر چلتے جانا اور اپنی ماؤں کو....بیٹیوں کو بھی ننگے بدن دیکھنا، بہت کچھ دیکھنا اور کچھ نہ کر سکنا....بچوں کو کرپانوں میں پروئے دیکھنا اور کچھ نہ کر سکنا۔ بھوک اور بے چارگی اور موت سے بے شرم ہو جانا....تب جا کر کچھ کچھ ویسی شکل بنتی ہے جو ان پناہ گیروں کی تھی۔"۹

تارڑ صاحب نے یہاں ہجرت کے المیے کو فسادات کے ساتھ باہم مربوط کر کے برصغیر کی تقسیم کے سیاسی اور معاشرتی اثرات بیان کر دیئے ہیں۔"راکھ" ایک سیاسی ناول نہیں ہے۔اس کا موضوع زمانہ اور معاشرت ہے لیکن اس کا ٹائم فریم ورک ایسا ہے کہ وہ بہت سے سیاسی معاملات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ تقسیم کے وقت موجودہ پاکستان میں ہندوؤں کی زیادتی کے ردِ عمل میں جو فسادات ہوئے اُن کی بڑی سچی اور خالص تصویریں "راکھ" میں پیش ہوئی ہیں۔۱۹۴۷ء کی ہجرت کا کرب زیادہ تر مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے علاقوں میں روا رہا مگر فسادات کی کچھ جھلکیاں مغربی پنجاب کے بعض حصوں میں بھی دیکھی گئیں۔ "راکھ" کا مرکزی کردار مشاہد اس تقسیم کے وقت ایک چھوٹے بچے کی عمر میں ہے جو سکول سے واپسی پر مختلف دہشت ناک مناظر سرِ بازار دیکھتا ہے۔اس میں سے ایک منظر اُس شخص کا بھی ہے جو لاہور کی ایک سڑک پر بے حس و حرکت لیٹا ہے اور ایک چھرا اُس کے سینے میں پیوست ہے۔۱۰ مشرقی پنجاب کے فسادات نے ردِ عمل کے طور پر مغربی پنجاب میں اپنا خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ ایک

ایسی سنگین حقیقت ہے جس سے مؤرخ جتنی بھی آنکھیں چرائے مگر ایک سچا ناول نگار اسے اپنے منفرد اسلوب سے ناول کا حصہ بنا کر در حقیقت تاریخ کے ایک گوشے کو محفوظ کر لیتا ہے۔ ہندوؤں سے اپنے بھائیوں کی بے بسی اور زیادتی کے انتقام کا عمل لاہور میں شروع ہو چکا تھا۔ تارڑ صاحب ایسے ہی ایک واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"انہی دنوں میں شاہ عالمی دروازے کے اندر واقع ایک وسیع اور قدیم آبادی کو آگ لگادی گئی۔ یہ بھی ایک ناممکن کارنامہ تھا۔ ہندو شاہ عالمی دروازے کو مکمل طور پر بند کر کے محصور ہو چکے تھے اور اُس علاقے کے اندر بقول کسے چڑیا بھی نہیں جا سکتی تھی لیکن.... ایک جاں باز مجسٹریٹ محمد غنی چیمہ نے جان پر کھیل کر چند مزید جاں بازوں کو شاہ عالمی کے زیر زمین گندے نالے کے ذریعے اندر پہنچایا اور اُنھوں نے اطمینان سے سکونت پذیر کافروں کے مکانوں اور دوکانوں کو آگ لگادی۔"[۱۱]

تقسیم اور فسادات کا کرب اُس دور کے تناظر میں لکھنے والے تقریباً سبھی معروف ناول نگاروں کی تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تقسیم ہند کا واقعہ اتنا غیر معمولی تھا کہ شاید ہی کوئی ادیب ہو گا جو اُس دور کے حوالے سے لکھتے ہوئے اس عظیم سیاسی واقعے سے رو گردانی کر گیا ہو۔

انتظار حسین کے ہاں تقسیم ہند کے واقعات سے زیادہ بعد تقسیم کے اثرات ملتے ہیں۔ انتظار حسین نے اساطیری حوالوں سے تاریخی حقائق کو آگے بڑھایا ہے۔ اپنے ناول "چاند گہن" میں تقسیم کے بعد کی صورتِ حال کو ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ مگر پسِ منظر کے طور پر متعدد مقامات پر ایسے سیاسی اشارے ملتے ہیں، جو اُس دور کی تقسیم اور اس کے ظالمانہ اثرات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انتظار حسین تقسیم ہند کے تو قائل ہیں مگر "آنگن" کے جمیل بھیا کی طرح ہندو مسلم نقل مکانی کو ضروری تصور نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ "چاند گہن" میں ہجرت کا واقعہ شدید کرب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

"فساد شروع ہوا اور آگ کی طرح پھیل گیا.... یہ کوئی بڑی قیامت ہے۔ ۵۷ء کی قیامت سے بڑی قیامت (۷ ستمبر) افواہیں حقیقت بن گئی ہیں اور حقیقتیں افواہیں۔ (۸ ستمبر) دلی میں رات مسلط ہے۔ ایک خوفناک ہنگامہ خیز رات.... (۱۹ ستمبر) دلی والے دہلی چھوڑ کر یوں بھاگ رہے ہیں جیسے بیل رسہ تڑا کر بھاگتا ہے۔"[۱۲]

تقسیم کا اعلان ہوتے ہی فسادات کا سلسلہ زور پکڑنے لگا تھا۔ یہ سلسلہ تقسیم کے اعلان سے قبل تقسیم کے آثار سے شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ اُس دور میں ایک عام سوچ یہ تھی کہ :

"ہندو مسلمانوں میں جو لڑائیاں ہو رہی ہیں.... یہ لڑائیاں انگریز کرا رہا ہے.... پھر دونوں کو ٹھوکر مار کر کہے گا: ہٹو جی ہندوستان یا پاکستان دونوں ختم۔ بس ہم حکومت کریں گے۔"[۱۳]

یہ عوامی رائے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے تصور کے تحت تھی۔ مگر سیاسی حالات اتنی تیزی سے پلٹا کھانے لگے کہ انگریزوں کو مقامی تقسیم سے ہٹ کر ملکوں کی تقسیم کرنا پڑی۔ آزادی کچھ کے لیے تو نئی زندگی کا پیغام ثابت ہوئی مگر کچھ کے لیے اپنی جڑوں سے ٹوٹنے کا باعث ٹھہری۔ جدوجہد کی کوکھ سے آزادی نے جنم لے لیا مگر آزادی کی کوکھ سے تاریخ کے بدترین فسادات نے زندگی پائی۔ ان فسادات کا بیانیہ بیسویں صدی کے برصغیر کا ایسا مرثیہ ہے جس کی غمناک آواز کئی سال تک ہجرت کرنے والی نسلوں کے کانوں میں گونجتی رہی۔ انتظار حسین آزادی کے تو حق میں ہیں مگر اس کے نتیجے میں جو قتل و غارت بے گھری اور دربدری ہوئی وہ اُن کے لیے سوہانِ روح ہے۔ اس کا اظہار وہ بڑے جذباتی انداز میں کرتے ہیں:

"آزادی! اس لچی حرامزادی آزادی کی تو ناک چوٹی کاٹ کے جوتیں مار مار کے باہر دھکے دے دیئے جائیں۔ چھنال نے آتے ہی خون خچر کرا دیئے۔"[۱۴]

انتظار حسین آزادی کی وجہ سے ہونے والے خون خچر کو مجموعی بیانیے کے طور پر پیش کرتے ہیں، مگر نسیم حجازی اپنے ناول "خاک اور خون" میں اس موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ نسیم حجازی آزادی کو ایک نعمت سمجھتے ہیں اور فسادات کو اس آزادی کی ایک لازمی حقیقت کے طور پر لیتے ہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے مصنف اور قاری کئی بار اشک بار ہوتے ہیں۔ فسادات کے حوالے سے اُن کا نقطہء نظر بڑا واضح ہے۔ اُن کے نزدیک تقسیم کے عمل کو پُر درد اور ہجرت کو پُر آشوب بنانے کی ذمہ داری انگریزوں بالخصوص لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف سے شروع ہو کر ہندوؤں کے کندھوں تک پہنچتی ہے۔ ہنگامہ خیز کارروائیوں اور قتل و غارت کا سلسلہ ہندوؤں کی جانب سے شروع ہوا اور اُنھی کی طرف سے جاری رہا۔ مسلمان بے چارے تو بس سہنے یا سب کچھ لُٹا کر چلے آنے پر مجبور تھے۔ راستے خاک تھے اور قدم خون آلود۔ پیچھے بلوائی تھے اور سامنے پاک سرزمین، لیکن یہ درمیانی راستہ جس درد، کرب اور مصائب سے طے ہوا وہ مہاجرین ہی جانتے ہیں۔ اِسی کرب کو نسیم حجازی نے "خاک اور خون" میں سمونے کی کوشش کی ہے تاکہ کسی حد تک سند رہے۔ اِسی بابت کرنل غلام سرور رقم طراز ہیں :

"انھوں نے اس ناول میں واقعات کے جو نقشے کھینچے ہیں۔ ان میں قاری کو اپنے مشاہدات اور احساسات کی سچی تصویر ملتی ہے۔"[۱۵]

وہ قاری جو ۴۷ء کی ہجرت میں شامل تھے یا اُس دور کے عینی شاہد ہیں وہ یقیناً محولہ بالا قول کی تصدیق کریں گے۔ "خاک اور خون" میں بھی "سرخ لکیر" کے عنوان کے تحت ایسے واقعات درج ہیں۔ جو تقسیم سے متعلق فسادات کی ظلم و بربریت عیاں کرتے ہیں۔ ان فسادات کی منصوبہ بندی اعلانِ پاکستان سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی:

"۱۵۔ اگست سے قبل دہلی کے نواح سے لے کر امرتسر تک آگ اور خون کے طوفان کا نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ ۱۵۔ اگست سے قبل پٹیالہ، نابھہ، کپور تھلہ، بھرت پور اور الور کی افواج مشرقی پنجاب میں پہنچ چکی تھیں۔ راشٹریہ سیوک سنگھ کے گروہ ہندو ریاستوں سے اسلحہ اور بارود حاصل کر کے پنجاب کا رُخ کر رہے تھے اور حکومت مشرقی پنجاب کی مسلمان پولیس کو غیر مسلح کر رہی تھی۔"[۱۶]

یہ سب تیاری کرنے کے بعد اب ہندو اور سکھ اتحاد کر کے مسلمانوں پر بھرپور ہلہ بولنے کو تیار تھے۔ نسیم حجازی نے رحمت علی کے کردار کے ذریعے مسلمان طبقے کی کیفیت کو ظاہر کیا ہے۔ جو مسلمانوں کی داخلی و خارجی حالت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ کردار مسلمانوں کی جرات اور عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اِس کے گاؤں میں اور آس پاس بسنے والے ہندوؤں اور سکھوں نے ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جس طرح آنکھیں بدل کر وحشت اور بربریت کی نئی داستانیں رقم کیں وہ "خاک اور خون" میں بڑی خوبی سے بیان ہوئی ہیں۔ سردار چرن سنگھ کی ایک تقریر کے کچھ الفاظ ملاحظہ ہوں :

" گرو کے سکھو! جتھے دار نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دس بجے سے پہلے یہاں پہنچ جائے گا اور اب گیارہ بجنے والے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں پٹیالہ کے جوانوں کی ضرورت پڑے گی لیکن اب یہاں اتنے آدمی جمع ہو گئے ہیں کہ رحمت علی کے گاؤں کے مسلمانوں کی ایک ایک بوٹی بھی بمشکل ہمارے حصے آئے گی۔"[۱۷]

اور جب رحمت علی کے گاؤں پر حملہ کیا گیا تو مسلمانوں نے بھرپور دفاع کیا۔ مگر اندر باہر سکھ تھے اور لاتعداد تھے اور مسلمانوں کو مارنے، عورتوں کو نکالنے اور سب کچھ جلا دینے کا عزم کر کے آئے تھے:

" بلونت سنگھ مسجد کی چھت پر کھڑا نعرے لگا رہا تھا۔ "شاباش بہادرو! اب قلعہ فتح ہو چکا ہے، کسی کو مت چھوڑو! عورتوں کو نکال لو اور مکانوں کو آگ لگا دو۔"[۱۸]

بلونت سنگھ کی پکار پر بڑی تیزی سے عمل جاری تھا۔اِس طرح کے بلونت سنگھ صرف رحمت علی کے گاؤں میں ہی نہ للکار رہے تھے بل کہ وہ پورے مشرقی پنجاب میں پھیلے ہوئے تھے۔ کہیں مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر گرو کے چیلوں کو دادِ عیش دے رہے تھے تو کہیں مسلمانوں کو پناہ کا چکمہ دے کر آسان شکار بنا رہے تھے:

"پیراندتہ چوکیدار نے اپنے پڑوسی عطر سنگھ کے ہاں پناہ لی تھی۔ پیراندتہ کے تین لڑکوں کو قتل کر دیا گیا اور اسے تب تک زندہ رکھا گیا۔ جب تک اس کی لڑکی کی چیخیں اور سسکیاں اُکھڑی اُکھڑی سانسوں میں تبدیل نہ ہو گئیں۔"۱۹

"خاک اور خون" خالصتاً فسادات اور تقسیم کے تناظر میں لکھا گیا تاریخی ناول ہے اور اس میں تاریخ کا وہ حصہ بیان کیا گیا ہے جو بیسویں صدی کے وسط کا اہم ترین سیاسی واقعہ ہے۔اس سیاسی واقعے نے مسلمانوں کو ایک الگ آزاد وطن تو عطا کیا مگر اس کی بنیادوں میں لاکھوں مسلمانوں کا لہو شامل ہے۔اس لہو کے بہنے سے پہلے ان مسلمانوں نے تاریخ کے بدترین فسادات اور مناظر اپنی بے نور ہوتی آنکھوں میں سمو لیے۔خوں ریزی کی اِسی تفصیل کو نسیم حجازی نے ''خاک اور خون'' کا حصہ بنا کر امر کر دیا ہے۔

"خاک اور خون" تقسیم اور فسادات کے تناظر میں لکھا گیا ایک بھرپور ناول ہے۔اس کے علاوہ اُس دور میں لکھے جانے والے ناولوں میں بھی اُس دور کی سیاسی آویزش کے آثار ملتے ہیں۔ایسا ہی ایک ناول "تلاشِ بہاراں" ہے۔ جمیلہ ہاشمی نے تخلیق کیا ہے۔"تلاش بہاراں" کا مرکزی موضوع ہندو مسلم متحدہ قومیت اور کلچر ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے بیان میں ۱۹۴۷ء کی تقسیم اور فسادات کا ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے۔اِسی لیے سیاسی تناظر میں چند اہم اشارے اس ناول میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ اشارے زیادہ تر تقسیم اور فسادات سے ہی متعلق ہیں۔ کنول کماری اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔جو فرد کی آزادی کی نمائندگی کرتا ہے۔ جمیلہ ہاشمی کا "تلاشِ بہاراں" تحریکِ آزادی کو اپنی ہیروئن کی ناقابل تبدیل آدرشوں میں دیکھتا ہے۔ یہ عورت تمام تر انسانی خصوصیات کی حامل ہے اور انسانیت کی خاطر اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو جانا اس کا جوہر ہے.... لیکن تحریکِ آزادی ایک قسم کا زبردست ہیجان انگیز انقلاب ہوتا ہے۔ جس میں انسانی خون کے بہنے کی لرزہ خیز وارداتیں از بس ضروری ہیں۔"۲۰

ایسی ہی وارداتوں کی طرف ایک اخبار نویس کے الفاظ میں "تلاش بہاراں" میں یوں اشارہ کیا گیا ہے :

" فسادات کے دنوں میں.... ہم نے اخبار کو ادبی اخبار میں تبدیل کر دیا.... جب ادب بھی زہر آلود اور.... فسادی ہو گیا تھا، ہم رک کر سانس لینے لگے مگر ہم نے انسان سے ہندو اور مسلمان ہونا پسند نہیں کیا۔"۲۱

جمیلہ ہاشمی، قرۃ العین حیدر کی طرح برصغیر کے صدیوں پرانے مشترکہ کلچر کی علمبردار ہیں۔ وہ مذہبی فرق ہٹا کر تہذیب کی اجتماعیت پر یقین رکھتی ہیں۔ اِسی موضوع کو "تلاشِ بہاراں" میں پیش کرنے کی بنا پر اس ناول کی ہندوستان میں خاصی مقبولیت ہوئی "تاہم فسادات میں بنیاد پرست ہندو کرداروں کی عکاسی کی وجہ سے ان پر جانبداری کا الزام بھی لگایا جاتا ہے۔"[۲۲] وہ تقسیم اور فسادات کو انگریزوں کی سیاسی چالوں کا شاخسانہ قرار دیتی ہیں۔ جس کے تحت جلسے جلوس اور مظاہرے دراصل فرنگی استعمار جاری رکھنے کا ایک حربہ تھے:

> " پھر غلامی کا ایک دور آیا۔ انگریزوں نے ملک کو تباہی کے بیج بو کر کاٹنے کے لیے تیار کر لیات تھا۔ ہر روز جلسے جلوس نکالے جاتے اور مادرِ ہند کے حصے بخرے کرنے کے لیے تیاری ہونے لگی.... فسادات ہو رہے تھے۔ جگہ جگہ سے لوگ ایک دوسرے کے گلے کاٹتے، گھروں کو آگ لگاتے، ہجوم کی صورت میں بڑھ رہے تھے۔"[۲۳]

اِن خون آشام فسادات کے بطن سے آزادی کی سحر نمودار ہوئی۔ یہ آزادی نئے عہد کی نوید تھی مگر آفتابِ عالم تاب کے طلوع ہوتے ہی سیاہ بادل اُمنڈنے لگے۔ یہ ایک دریا کے بعد دوسرے دریا کے مقابل آنے کے مترادف تھا۔ اس موضوع پر جہاں بہت سے ادباء نے اپنے انداز میں اظہارِ خیال کیا وہیں ناول نگاروں نے بھی اپنا قلم اُٹھایا۔ پاکستانی اُردو ناول نگاروں نے مختلف سیاسی حالات و واقعات کو مشاہدات اور تجربات کے ذریعے اپنی تحریروں کو حصہ بنا کر انھیں ایک اہم دستاویز کی حیثیت عطا کر دی ہے۔ تقسیم ہند کے پس منظر اور پیش منظر میں بہت سے سیاسی معاملات کو اہمیت حاصل ہے۔ ان معاملات میں ہجرت اور فسادات کا المیہ پہلو نمایاں طور پر شامل ہے۔ اس لیے قیام پاکستان کے بعد ابتدائی طور پر سامنے آنے والے ناولوں میں ان تمام معاملات کو ناول نگاروں نے اپنی تخلیقات کا حصہ بنانے کی کوششیں کی ہیں۔ یہ سلسلہ صرف ابتدائی ناولوں سے ہی مخصوص نہیں بلکہ بہت بعد کے ناولوں میں بھی تقسیم اور اس کی سیاسی فضا کو موضوع بنایا گیا ہے۔

حواشی

1. Khadeeja Mastoor,**AANGAN**(Lahore:Sang-e-Meel publications,2012), p239
2. Same, p275

3. Abdullah Hussain,UDAS NUSLAIN included Majmoua Abdullah Hussain (Lahore:Sang-e-Meel publications,2007), p450

4. Same, p452

5. Same, p453

6. Same, p458

7. Same, p459

8. Same, p462

9. Mustansar Hussain Tarrar,RAKAH(Lahore:Sang-e-Meel publications,2012), p102

10. Same, p72

11. Same, p71

12. Intezar Hussain,CHAND GAHAN(Lahore:Maktba-e-Karwan,1953),p149-160

13. Same, p54-55

14. Same, p136

15. Col.Ghulam Sarwar,"Naseem Hajazi apni tehreeron kay aaeny mein",included NASEEM HAJAZI AIK MUTALIA,complied by Tasudaq Hussain Raja,(Lahore:Qoumi Kitab Khana,1987), p162

16. Naseem Hajazi,KHAK AUR KHOON(Lahore:Jahanger Books),p343

17. Same, p358-359

18. Same, p387

19. Same, p390

20. Dr.Mumtaz Ahmad Khan,URDU NOVEL KAY HAMA GEER SAROKAR(Lahore:Fiction House,2012),p144

21. Jameela Hashmi,TALASH-e-BAHARAN(Karachi:Urdu Acadmy Sindh,1961),p669

22. Dr.Muhammad Arif,URDU NOVEL AUR AZADI KAY TASWARAT(Lahore:Pakistan Writters Cooperative Society,2011),p768

23. . Jameela Hashmi,TALASH-e-BAHARAN, p535-536